مغرب میں مذہب کے آغاز وارتقاء کا تصور- تجزیاتی مطالعہ

عابدہ حیات*

ڈاکٹر محمد حامد رضا**

"The concept of religion in the most ancient concept of the human history which has been travelling for centuries upon centuries, because of diversification of human thought the concept of religion has been interpreted diversifically during different phases of history, although the mankind were created upon one and only faith by the creator almighty. But with the passage of time, the original faith went overlapped and defaced. So it is important for the mankind of every age, past, present and the coming to know and discover the general concept of the faith and religion keeping its first and for most importance in view as it is related to the fundamental objective of human life. In the following article, the meaning of word religion (مذہب) its prevailing contemporary definitions are described with reference to the context in order to explain the general concept of religion and its subject matter along with its origin and development. More over, the article differentiates also between the mere religion and "Dean" in its right logical perspective."

لغوی تحقیق

لفظ ''مذہب'' بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے جو ذَھْبٌ مصدر سے اسم ظرفِ مکاں ہے۔ اس سے ذَھَبَ ماضی اور یَذْھَبُ مضارع بنتا ہے۔ اِس کا معنی ہے جانا یا چلنا اور مذہب چلنے یا جانے کی جگہ یا گزرگاہ۔

> ''چلنے، جانے اور لے جانے کے معنی میں ''ذَھَبَ'' کا لفظ قرآن میں آٹھ مرتبہ، جب کہ اِسی مصدر سے مختلف تراکیب کے ساتھ سینتیس مرتبہ آیا ہے جس سے مراد چلنا، لے جانا اور لے جانے والا ہے۔''(۱)

اَلذَّھَبُ کا ایک معنی سونا (دھات) بھی ہے جو فی زمانہ بہت قیمتی رہی ہے۔ قرآن میں اس معنی میں یہ لفظ آٹھ (۸) مختلف مقامات پر آیا ہے۔(۲)

صاحب ''تاج العروس'' نے (ذھب) کے تحت متعدد معانی ذکر کیے ہیں اور اِس لفظ کے سیاق و سباق میں اس کے معانی یوں درج کیے ہیں:

''من المجاز المذھب (المعتقدالذی یذھب الیه) وَذَھَبَ فُلَانٌ لِذھبه أئی

* پی ایچ ڈی سکالر، شعبۂ علومِ اسلامیہ، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامیات، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد۔

لمذهبه الذی یذهب فیه(و) المذهب (الطریقة) یقال ذهب فلانٌ مذهباً حسناً أی طریقةً حسنةً و المَذْهَبُ(الاصل)"(۳)

(مجازی طور پر مذہب سے مراد وہ عقیدہ ہے جس کی طرف کوئی جاتا ہے مثال کے طور پر فلاں اپنی جگہ کی طرف گیا یعنی اپنے اس مقام کی طرف جس طرف اسے جانا تھا اور مذہب سے مراد راستہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں نے اچھا مذہب اختیار کیا یعنی کہ اچھا راستہ۔ اور مذہب کا معنی اصل یا بنیاد بھی ہے۔)

''المفردات فی غریب القرآن'' میں امام راغبؒ نے ذَهَبٌ لفظ کے مذکورہ دونوں طرح کے معانی یعنی چلنے یا جانے اور سونا (دھات) کی صراحت اِس طرح کی ہے کہ اَلذَّهَبُ معروف لفظ ہے جسے بعض اوقات ذَهَبَةٌ بھی کہا جاتا ہے اور مُذَهَّبٌ اُس شے کو کہا جاتا ہے جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہو اور اُس کی سرخی زرد (سنہری) ہو جائے ذَهَّابٌ گزر جانے والے کو کہا جاتا ہے یعنی جو کس راستے سے گزر گیا ہے۔(۴)

انگریزی میں مذہب کے لیے لفظ "Religion" ہے۔ شان الحق حقی نے اوکسفرڈ انگلش اُردو ڈکشنری میں Religion کے درج ذیل معانی تحریر کیے ہیں:

''ا۔ مذہب، مافوق الفطرت وجود خصوصاً خدا یا دیوتاؤں پر اعتقاد اور ان کی پرستش، ۲۔ پرستش میں اس عقیدے عبودیت کا اظہار، ۳۔ عقائد اور عبادات کا کوئی مخصوص نظام، ۴۔ سنیاس یا رہبانیت کا عہد۔ (دین کی راہ)، ۵۔ کوئی چیز جس سے گہرا لگاؤ ہو۔''(۵)

''کائنات اور انسان'' کے مصنف نے مذہب کی لغوی تحقیق پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''مذہب، شریعت اور طریقت کے الفاظ کا معنی ہے ''راستہ''۔ چینی زبان میں تاؤ کا مفہوم بھی یہی ہے۔ سنسکرت میں لفظ دھرم کا مادہ ہے دھر۔ بہ معنی رکھنا۔''(۶)

مذکورہ تمام معانی میں ایک بات مشترک ہے کہ مذہب راستے، طریقے یا کسی گزرگاہ کا معنی دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اعتقاد بھی کم وبیش اس لفظ کا ایک مشترک معنی مراد لیا گیا ہے۔ یہ لغوی معنی غالبًا اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ کسی راستے پر یقین اور اعتماد کے ساتھ چلنا بہت ضروری ہے۔ مذہب کے انہی مختلف لغوی معانی سے اس کا اصطلاحی مفہوم متعین کیا جا سکتا ہے۔

اصطلاحی مفہوم

بطور اصطلاح مذہب ایک ایسی گزرگاہ ہے جسے شاہراہِ حیات (Lifeline) سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ یعنی انسانی زندگی گزارنے کا راستہ یا طریق۔ اپنے وسیع تر مفہوم میں مذہب مقصدِ زندگی تک پہنچنے کی گزرگاہ یا راستہ ہے۔ انسانی فکر چونکہ ہر دور میں اختلاف کا شکار رہی ہے جس کے باعث مقصدِ زندگی کو مختلف انداز میں سمجھا گیا۔ لہٰذا مقصد تک رسائی حاصل کرنے کے راستے یعنی مذاہب بھی مختلف اختیار کیے گئے۔ عربی انگریزی

لغت المورد الوسیط میں مذہب کے جو معانی بیان ہوئے ہیں وہ اِصلاحی معنی سے زیادہ قریب ہیں۔

مَذْهَبُ (ج: مذاهب) Faith, belief, creed, doctrine, teaching, idiology, school (orthodox)

مَذْهَبِي Denominational, sectarian, confessional, doctrinal

مَذْهَبِيَّة Denominationalism, sectarianism, confessional, doctrinal (۷)

تاہم یہ بات بہرحال قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے کہ انسانی زندگی میں مذہب کا تصور بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ مختلف لوگوں نے اپنے اپنے نکتۂ نظر سے اس تصور کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثال کے طور پر "The Elementary Form of Religious Life" میں مذہب کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

"A religion is a unified system of beliefs and practices related to sacred things, that is to say, things set apart and surrounded by prohibitions - belief and practices that unite its adherents in a single moral community called a church."(8)

(مذہب مقدس باتوں سے متعلق پائے جانے والے عقائد واعمال پر مبنی یک طرفہ نظام ہے، کہا جاتا ہے کہ ایسی باتیں جو الگ تھلگ حیثیت میں ان عقائد واعمال کی پابندیوں میں گھری ہوئی ہوں جو اُن کی وابستگیوں کو اُس واحد اخلاقی اِدارے کے تحت منسلک کریں جسے چرچ کہا جاتا ہے۔)

اس تعریف کی رُو سے مذہب ایک یک طرفہ نظام ہے جسے چرچ وضع کرے اور مختلف حوالوں سے لوگوں کی وابستگیاں اس کے ذریعے وحدت کی لڑی میں منسلک ہوں، گویا چرچ کے احکام کو مذہب کا درجہ حاصل ہے۔

'Paul Tillich' نے مذہب کی تعریف کرتے ہوئے۔ اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ:

"Religion is the state of being grasped by an ultimate concern, a concern which qualified all other concerns as priliminary and which itself contains the answer to the question of a meaning of our life."(9)

(مذہب کسی قطعی تعلق کی گرفت میں ہونے کا نام ہے، وہ تعلق جو دیگر تمام تعلقات کو بنیاد فراہم کرتا ہے اور فی نفسہٖ ہماری زندگی کے مقصد کے سوال کے جواب پر مشتمل ہے۔)

حیاتِ انسانی کے اصل مقصد کے حوالے سے اُٹھنے والے سوال بنیادی اہمیت کے حامل ہیں، جن

کے جوابات ناگزیر ہیں۔ مذکورہ تعریف کسی قطعی تعلق اور معاملے کی نشان دہی کرتے ہوئے اِس اَمر پر روشنی تو ڈالتی ہے مگر اُس کی قطعی وضاحت کے بارے میں خاموش ہے کہ اِنسان کا وہ تعلق کسی ذات کے ساتھ اُستوار ہو گا تو مقصدِ زندگی کے بارے میں سوال کا خاطر خواہ جواب ملے گا۔

'Rudolfotto' کے نزدیک: "Religionistheexperienceofthe Holy."[10]

(مذہب ایک پاکیزہ تجربہ ہے۔)

یقیناً مذہب بنیادی طور پر اِنتہائی مقدس تصوّر ہے لیکن اِس اَمر کی وضاحت ضروری ہے کہ اِنسان اِس تصوّر کو کس ماخذ سے ماخوذ سمجھتا ہے تا کہ اس کی صحت اور پاکیزگی کا تعین ہو سکے۔

''KathrineAlbanese'' کا خیال ہے کہ:

"Religion can be seen as a system of symbols by means of which people locate themselves in the world with reference to both ordinary and extra-ordinary powers, meanings and values."[11]

(مذہب کو علامتی نظام کے طور پر سمجھا جا سکتا ہے جس کے ذریعے لوگ اپنے آپ کو معمولی اور غیر معمولی قوتوں، ذرائع اور قدروں کے حوالے سے دُنیا میں ٹھہراتے ہیں۔)

اس کا مطلب ہے کہ مذہب مختلف علامات پر مبنی نظام ہے جو کائنات میں پائی جانے والی قوتوں پر روشنی ڈالتا ہے اور مظاہرِ فطرت بطور علامات سامنے آتے ہیں اور انسان کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ کائنات میں پائی جانے والی مختلف قوتیں کسی غیر معمولی قوت کی مرہونِ منت ہیں سوال یہ ہے کہ اِنسان کا رویہ اُس کے بارے میں کیا ہونا چاہیے؟

'KarlMarx' نے ہیگل کے مذہبی فلسفے کا تنقیدی تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا:

"Religionisthesignoftheoppressedcreature, theheartofa heartless world, just as it is the spirit of a spiritless situation. Itistheoptimumofthepeople."[12]

(مذہب پسی ہوئی مخلوق کی علامت ہے۔ بے حس دُنیا کا دل ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسے کسی بے رُوح کیفیت کی رُوح ہو۔ مذہب لوگوں کی اُمید ہے۔)

عام طور پر غریب اور بے بس لوگ مذہب کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں، اور بے حسی کے عالم میں مذہب اِنسان میں انسانیت اور انسان دوستی کا احساس اُجاگر کرتا ہے، جس سے مردہ دلوں میں رُوح بیدار ہو جاتی ہے اور مایوسی کی کیفیت اُمید میں بدل جاتی ہے، یقیناً مذہب یہ کردار ادا کرتا ہے۔ غالبًا کارل مارکس بھی یہی کہنا چاہتا ہے۔

''William James'' کا کہنا ہے کہ:

"Religion shall mean for us the feelings, acts and experiences of individual men in their solitude, so far as they apprehend themselves to stand in relation to whatever they may consider the divine."(13)

(ہمارے لیے مذہب سے مراد وہ احساسات، اعمال اور تجربات ہوں گے، جو لوگ انفرادی طور پر اپنی تنہائی کے عالم میں انجام دیتے ہیں، جیسا کہ جو کچھ وہ خدائی قوت کے بارے میں غور کر سکتے ہیں تا کہ وہ اس کے ساتھ تعلق اُستوار کرتے ہوئے خود کو سمجھ لیں۔)

گویا مذہب احساس دلاتا ہے اور اعمال و تجربات پر روشنی ڈالتا ہے مگر اُن معاملات کے بارے میں جن کو لوگ عام طور پر ذاتی مسئلہ قرار دیتے ہیں۔ اِس تعریف کی رُو سے مذہب کا زندگی کے اجتماعی معاملات سے کوئی تعلق نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس میں مذہب کو کسی حد تک خدائی قوت کے ساتھ وابستہ کیا گیا ہے۔

''Cliffard Greetz'' نے لکھا ہے:

"A Religion is (1) a system of symbols which acts to (2) establish powerful, pervasive, and a long-lasting moods and motivation in men by (3) formulating conceptions of a general order of existance and (4) clothing these conceptions with such an aura of factuality that (5) the moods and motivations seem uniquely realistic."(14)

(ایک مذہب (۱) علامات سے عبارت نظام ہے جو (۲) طاقت ور، مؤثر اور پائیدار جذبات اور محرکات کو فروغ دیتا ہے۔ (۳) اور یہ کام زندگی کے بارے میں عمومی نظام کے تصوّرات کی ترتیب اور (۴) ان تصوّرات کو حقیقت کا لباس پہنا کر جو کہ (۵) منفرد حقیقت پسندانہ قسم کے طبائع اور محرکات ہوں، مرادلیا جاتا ہے۔)

اس تعریف میں بھی مذہب کو علامتی نظام سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس میں حقیقت پر مبنی تصوّرات پر زور دیا گیا ہے جو انسانی زندگی کے لیے محرکات کا کام دیں۔

"D.T. Suzuki" نے "Outlines of Mahayna Buddhaism" میں لکھا ہے کہ:

"Religion is the inmost voice of the human hearts that under the yoke of a seemingly finite existence grooms and travails in pain."(15)

(مذہب بنی نوعِ اِنسان کے دلوں کی اِنتہائی گہری آواز ہے، جو محسوس طور پر محدود وجود میں پابند ہو کر نشوونما پاتی ہے اور دُکھ درد میں اثر انداز ہوتی ہے۔)

درحقیقت مذہب انسان کی فطرت میں ودیعت شدہ ہے۔ اِسی لیے یہ دلوں میں گھر کر جانے والی آواز بنتا ہے اورانسان کی ظاہری حرکات وسکنات پر اثرات مرتب کرتا ہے۔

'Peter L. Berger' کے بقول:

"Religion is the human enterprise by which a sacred cosmos is established."(16)

(مذہب بنی نوع انسان کا ایسا معاملہ ہے جس کی بدولت ایک مقدس ماحول برپا ہوتا ہے۔)

مذہب کا تقدس اقوامِ عالم میں قدرِ مشترک ہے، جس کے ذریعے اِنسان پاکیزگی حاصل کرتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ کوئی طہارت و پاکیزگی سے کیا مراد لیتا ہے۔ یقیناً اس کے لیے تصوّر مذہب کا تجزیہ ضروری ہے۔ مذہب کی مذکورہ تعریف اس حوالے سے بہت قابلِ توجہ ہے۔

مذہب کی تعریف اور حیثیت کے بارے میں "J.Z. Smith" نے لکھا ہے کہ:

"While there is a staggering amount of data, phenomena of human experiences and expressions that might be characterized (as religion) there is no data for religion. Religion is solely the creation of the scholar's study. It is created for the scholar's analytic purposes by his emaginative acts of comparison and generalization. Religion has no existence apart from the academy."(17)

(اس سلسلے میں چونکہ اعداد وشمار بکھرے ہوئے اور کم زور ہیں چنانچہ انسانی تجربات اور اظہارات کا معاملہ جسے لازماً مذہب متصوّر کیا جائے، اس کے لیے کوئی اعداد وشمار نہیں ہیں۔ مذہب بنیادی طور پر کسی مفکر/ عالم کے مطالعے کی تخلیق ہے۔ یہ اُس کے تخیلاتی اعمال کے تقابل اور عموم کے ذریعے اُس کے تجزیاتی مقاصد کے لیے معرضِ وجود میں آتا ہے، اکادمی سے باہر مذہب کا کوئی وجود نہیں۔)

اِس تعریف سے محسوس ہوتا ہے کہ J. Z. Smith مذہب کے حوالے سے شدید تذبذب کا شکار ہے۔ اُس کے نزدیک مذہب محض انسانی فکر وتخیل کا نتیجہ ہے جو انسانی زندگی میں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا، یہ بات متنازعہ اور قابلِ بحث ہے۔

مذکورہ تعریفوں کا خلاصہ یہ ہے کہ مذہب مختلف عقائد واعمال، ممنوعہ باتوں سے پرہیز کرنے، زندگی کے بارے میں سوالوں کے جواب دینے، مقدس تجربے، عمومی اور غیر معمولی اختیارات، علامتی نظام کے تحت زندگی گزارنے، کسی بھی مخلوق کی آواز، بے دلوں کی دنیا کے دل، بے روح صورتِ حال کی روح اور لوگوں کی امید، لوگ جو کچھ خدا کے بارے میں سمجھتے ہیں۔ اس حوالے سے عالمِ تنہائی میں سکون حاصل کرنے کے لیے

احساسات، اعمال و تجربات، زندگی کے عمومی نظام کے بارے میں تصورات کو ترتیب دینے کے لیے مضبوط اور پائیدار محرکات کے قیام، نسلِ انسانی کے دل کی آواز اور مفکرین کے مطالعے کے نتیجہ کا نام ہے۔

اگر چہ مختلف مفکرین نے اپنے اپنے انداز میں مذہب کی تعریف بیان کی ہے۔ تاہم ایک خیال یہ بھی ہے کہ مذہب کی کوئی قابلِ قبول تعریف متعین کرنا مشکل ہے۔ جیسا کہ Encyclopaedia of Britannica کے مقالہ نگار نے لکھا ہے کہ:

> "An acceptable definition of religion itself is difficult to attain. Attempts have been made to find an assential ingredient in all religions (e.g., the numinous are spiritual experience the contrast between the sacred and the profane belief in gods or God). So that an "assence" of religion can be described. But objections have been brought against such attempts, either because the rich variety of man's religions makes it possible to find conter exmaples or because the element cited as assential is in some religions peripheral."(18)

> (مذہب کی کسی قابلِ قبول تعریف کا حصول بذاتِ خود مشکل ہے۔ کوششیں کی جا چکی ہیں کہ تمام مذاہب میں کوئی بہت ضروری عنصر تلاش کیا جائے۔ (مثال کے طور پر دیوتائی یا روحانی تجربہ، مقدس اور غیر الہامی کے درمیان تضاد اور دیوتاؤں یا خدا پر اعتقاد) تاکہ مذہب کا ''خلاصہ'' بیان کیا جا سکے لیکن ایسی کوششوں کے خلاف اعتراضات کیے گئے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے مذاہب کا بہت بڑا تنوع ایک دوسرے کے خلاف متضاد مثالیں تلاش کرنے کو ممکن بناتا ہے۔ یا اس لیے کہ کچھ مذاہب میں پایا جانے والا بنیادی عنصر محدود ہوتا ہے۔)

ایک ہندوستانی مفکر امور رنجن مہاپتر نے بھی اگر چہ مذہب کی تعریف متعین کرنے سے اتفاق نہیں کیا پھر بھی تصورِ مذہب کے حوالے سے قابلِ فہم حد تک وضاحت کر دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''درحقیقت مذہب خصوصی اعتبار سے ایسی چیز ہے جسے محسوس اور تجربہ کرنا پڑتا ہے نہ کہ اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ بایں ہمہ یہ درست ہے لیکن لفظ مذہب کا کوئی نہ کوئی مفہوم ہے اور اُس مفہوم کو جاننا بہتر ہوگا۔۔۔ کوئی بھی اصول جو ہمیں بحیثیتِ مجموعی باہم باندھتا ہے وہ مذہب ہے۔ یہ محض عقیدہ ہی نہیں بلکہ طرزِ عمل بھی ہے۔ صرف یقینِ کلی ہی نہیں بلکہ شعار بھی۔ صرف ایمان نہیں بلکہ وظائف کی ادائیگی بھی۔ مذہب میں ساری انسانی شخصیت ملوث ہے۔''(۱۹)

International Encyclopaedia of Social Sciences کے مقالہ نگار نے بھی اسی مشکل کا ذکر کیا ہے جس کا ذکر گزشتہ دو حوالوں میں بھی ہوا۔ اس کے باوجود اُس نے مذہب کے تصور پر کافی حد تک روشنی

ڈالی ہے:

"Though difficult to define from an intercultural perspective, religion informs the lives of virtually every society as a complex system involving beliefs, behaviour, organizational structure and symbols. Problems in satisfactorily defining the term emerge from the menifold ways in which religioin expresses itself, varied roles that performs both for individuals and for social groups, and the plethora academic descipline that study it."(20)

(اگرچہ بین الثقافتی تناظر میں مذہب کی تعریف بیان کرنا مشکل ہے، مذہب ہر معاشرے کے لوگوں کو عملی طور پر کارفرما ایک پیچیدہ نظام کے طور پر مطلع کرتا ہے، جو کہ عقائد، طرزِ عمل، تنظیمی ڈھانچے اور علامات سے عبارت ہوتا ہے۔ تسلی بخش طور پر مذہب کی تعریف بیان کرنے سے کئی طرح کے مسائل ظاہر ہوتے ہیں جن کے اندر مذہب اپنے آپ کا اظہار کرتا ہے، مختلف طرح کے کردار سامنے آتے ہیں جو کہ مذہب، افراد اور سماجی گروہوں اور تعلیمی نظم وضبط کے غلبے کے لیے ادا کرتا ہے۔)

مذکورہ حوالے میں مذہب کا دائرہ کار متعین کرنے کا پتہ چلتا ہے کہ مذہب نہ صرف انفرادی راہنمائی کا حامل تصور ہے بلکہ بحیثیتِ مجموعی پورا معاشرہ بھی اس سے راہنمائی حاصل کرسکتا ہے، لیکن ایک بات جو قابلِ بحث ہے وہ مذہب کو ایک پیچیدہ نظام کے طور پر پیش کرنے کی بات ہے۔ کوئی بھی پیچیدہ اور مبہم نظام کا تصور صحیح معنوں میں راہنمائی فراہم کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوتا ہے۔

مذہب اور انسانی زندگی لازم وملزوم ہیں۔ مذہب شاہراہِ زندگی ہے اس لیے اس تصور کا معقول قابلِ فہم اور آسان ہونا ضروری ہے۔ پروفیسر whitehead کے نزدیک مذہب اُس شے کا تصوّر ہے جو انسان کے آگے پیچھے اور اس کے اندر ہے۔ وہ شے جو ہر سامنے کی چیز میں سے گزر رہی ہے۔ وہ شے جو حقیقت ہے، لیکن اس کے ساتھ ہمارے پیشِ نظر حقائق میں سب سے عظیم حقیقت بھی۔ وہ شے جو ہر چیز میں مفہوم پیدا کر دیتی ہے۔(۲۱)

لفظِ مذہب کی لغوی تحقیق اور مختلف مفکرین کی بیان کردہ تعریفوں کی روشنی میں اس کی اصطلاحی وضاحت کے بعد بحیثیتِ مجموعی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مذہب زندگی گزارنے کا ایک طریقہ یا راستہ ہے جس پر چلتے ہوئے انسان کا ذہن کچھ عقائد واعمال کو قبول کرتا ہے۔ کوئی بھی راستہ اختیار کرنے کے لیے زادِراہ ضروری ہوتا ہے اور جب سوال پوری زندگی کا ہو تو اِسے انجام تک پہنچنے کے لیے مکمل زادِراہ یعنی ہر پہلو کے لیے ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ مذہب ایک جزوی ضابطۂ ہدایت ہے۔

دین کا معنی ومفہوم

دین کا لفظ بھی عربی زبان کا لفظ ہے جو بالخصوص قرآن حکیم کی اصطلاح ہے جو اپنے وسیع تر تناظر میں اسلام کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسا کہ اس لفظ کی لغوی وضاحت میں بیان ہوا ہے کہ اس کا معنی صلہ یا بدلہ، حساب، حکم، فیصلہ اور غلبہ وتسلط ہے۔ یعنی لغوی طور پر بھی یہ لفظ اپنے اندر بڑی جامعیت رکھتا ہے۔ قرآن میں ہے:

''مَالِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ''[۲۲] (یعنی اللہ روز جزا کا مالک ہے۔)

جزا وسزا کا انحصار اعمال پر ہوتا ہے اس لیے شرعی اصطلاح میں دین کی تعریف (defintion) ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''الدین الجزاء فی الخیر و الشر'' (یعنی دین خیر وشر کے بدلے کا نام ہے۔)

جب کہ اَلۡدَیّان سے مراد بدلہ دینے والی ذات ہے چنانچہ المعجم الوسیط میں ہے:

''اَلۡدَیَّان: اِسم من اسمآءِ اللّٰه، القاضی الحاکمه و المجازی بالخیر والشر ''[۲۳]

(بدلہ دینے والا: اللہ کے اسماء میں سے ایک اِسم، قاضی، حاکم اور خیر وشر کی جزا دینے والا۔)

عمل کے بدلے (ردِعمل) تک پہنچنے کے لیے کسی معیار پر پورا اترنا یا اس سے انحراف کرنا ہوتا ہے۔ دونوں صورتوں میں ردعمل ظاہر ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان کے کردار وعمل کے انجام کا انحصار ضابطے کی پیروی یا خلاف ورزی پر ہے۔ چنانچہ قرآن کی رو سے اُس ضابطے کو ''دین'' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

''اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰهِ الۡاِسۡلَامُ''[۲۴] (یعنی اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔)

گویا الہامی ضابطۂ ہدایت یعنی دین کا نام اسلام ہے جسے خالق کائنات نے نسلِ انسانی کی ہدایت اور نجات کا سامان بنا کر مختلف مراحل میں سے گزارتے ہوئے ہر طرح سے مکمل کر دیا۔

''اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَ رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا''[۲۵]

(آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتِ ہدایت مکمل کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔)

قرآن کریم میں دین کا لفظ مجموعی طور پر باسٹھ (۶۲) مرتبہ آیا ہے۔[۲۶]

سید مودودیؒ نے لکھا ہے کہ:

''دین کے کئی معنی ہیں ایک معنی عزت، حکومت، سلطنت، بادشاہی اور فرمانروائی کے ہیں۔ دوسرے معنی اس کے بالکل برعکس ہیں یعنی زبردستی اطاعت، غلامی، تابعداری اور بندگی۔ تیسرے معنی حساب کرنے اور فیصلہ کرنے اور عمل کی جزا وسزا کے ہیں۔ قرآن شریف میں لفظ دین انہی تین معنوں میں آیا ہے۔''[۲۷]

معلوم ہوتا ہے کہ دین کا لفظ جب عزت وحکومت اور فرمانروائی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد اللہ کی لازوال عزت اور حکومت ہے جب یہ زبردستی، اطاعت اور بندگی کے معنوں میں آتا ہے تو اس سے انسانوں کا شعوری طور پر اللہ کے حکم یعنی دین کی اطاعت اور غلامی اختیار کرنا ہے اور اس کے آگے سرِتسلیم خم کرنا ہے اور جب یہ حساب، فیصلے اور جزاوسزا کے لیے آتا ہے تو اس سے مراد اللہ کا روزِ قیامت حساب لینا اور ان کے اعمال کے مطابق فیصلہ کرتے ہوئے اُن کے لیے جزاوسزا کا تعین کرنا ہے۔ اس بنیاد پر کہ انہوں نے اللہ کے دین کے مطابق زندگی گزاری یا نہیں۔ غرض لفظ ''دین'' اپنے وسیع تر معنی ومفہوم میں چار بنیادی تصورات کی ترجمانی کرتا ہے یعنی (الف) غلبہ وتسلط، کسی ذی اقتدار کی طرف سے (ب) اطاعت اور بندگی، صاحبِ اقتدار کے آگے جھک جانے والے کی طرف سے۔ (ج) قاعدہ وضابطہ اور طریقہ جس کی پابندی کی جائے اور (د) محاسبہ اور فیصلہ اور جزاوسزا۔

دین کی اِصطلاح اپنے حقیقی وفطری تناظر میں علم وعلم پروری کی صفت سے متصف ہے اور عقلی استدلال کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ سیّد ابوالحسن علی ندوی نے دین کے مزاج کے تعین کی وضاحت کرتے ہوئے روشنی ڈالی ہے کہ دین نے ہمیشہ اِنسان کے اِس جذبہ وصلاحیت کا ساتھ دیا ہے کہ علم حاصل کیا جائے اور پیش آمدہ نئے مسائل ومشکلات کا حل تلاش کیا جائے۔ دین کبھی بھی علم سے بیزار اور عقلی استدلال سے خوف زدہ نہیں ہوتا۔(۴۸)

مذہب اور دین میں فرق کی وضاحت

مذہب اور دین کے مفہوم سے دونوں میں فرق کا تعین بھی ہوجاتا ہے اور مماثلت کے پہلو بھی سامنے آجاتے ہیں۔ بنیادی فرق یہ ہے کہ مذہب زندگی گزارنے کا ایک طریقہ یا راستہ ہے لیکن اس راستے میں کیا کیا نشیب وفراز ہوسکتے ہیں۔ انسان کو کہاں رکنا چاہیے اور کہاں نہیں، کہاں موڑ آئے گا اور کہاں خطرات کا سامنا ہوگا، مذہب اس بارے میں مکمل ہدایات فراہم نہیں کرتا۔ یہ صرف زندگی کے چند پہلوؤں اور ان میں سے بھی روحانی اور مابعدالطبیعیاتی پہلو پر روشنی ڈالتا ہے۔ جس سے حقیقی مقصدِ زندگی پورا نہیں ہوتا۔ پروفیسر ایم اے بٹ نے دین اور مذہب کا فرق اور تعلق ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

> ''دین روزِ اوّل جب آدم علیہ السلام کو اس دنیا میں مبعوث فرمایا گیا، اسلام ہی تھا اور دین وہ نعمتِ عظمیٰ تھی جو اللہ تعالیٰ عزوجل نے اپنے خاص بندوں کے ذریعے بنی نوع انسان تک پہنچایا۔ جب کہ مذاہب وہ راستے ہیں جو دین میں مختلف اسکالرز نے تشریح کرکے پیدا کیے۔ چونکہ دینِ اسلام کا خالق اللہ تعالیٰ عزوجل کی ذاتِ مبارکہ ہے، اس لیے اُس میں روزِ اوّل سے آخر تک کوئی جھول ہے اور نہ ہوگا۔ البتہ مذہب میں چونکہ انسانی سوچ دخیل ہے اس لیے خامیوں کے

امکان کو کسی طور پر رد نہیں کیا جا سکتا۔‘‘(۲۹)

جبکہ دین اپنے مفہوم میں طریق زندگی بھی ہے اور دستورِ حیات بھی جو زندگی کے جزئیات سے لے کر کلیات تک جامع ہدایات فراہم کرتا ہے۔ اگر صرف مذہب کو پیش نظر رکھا جائے تو حیاتِ انسانی مختلف اجزا میں تقسیم ہو جاتی ہے اور اس کا شیرازہ بکھر جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کے لیے راہنمائی کی خاطر کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور انسان کو یہ کہنے کی ضرورت پیش آتی ہے کہ مذہب کو فلاں فلاں شعبے میں دخل اندازی کا حق نہیں ہونا چاہیے۔ جبکہ دین ایسا جامع تصور ہے جس کی راہنمائی میں بکھرے ہوئے اجزائے ہستی کی شیرازہ بندی ہوتی ہے اور قابلِ عمل اصولوں کی خاطر انسان کے لیے اِدھر اُدھر ٹامک ٹوئیے مارنے کی بجائے ہر حوالے سے سیدھی، آسان اور قابلِ عمل راہ پر گامزن رہتے ہوئے مقصدِ زندگی کا حصول ممکن ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً کہا جا سکتا ہے کہ مذہب اور دین کے مفہوم میں اگر فرق ہے تو اتنا کہ دین کل ہے اور مذہب اس کا ایک جزو۔ البتہ عرفِ عام میں دونوں الفاظ ایک دوسرے کا مترادف بھی سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلام دین ہے محض مذہب نہیں اور جب بھی اس کے لیے مذہب کا لفظ بولا جاتا ہے تو اُس سے دین ہی مراد ہوتا ہے۔ بالکل ایسے ہی جیسے ایک مسلمان جب خدا کا لفظ بولتا ہے تو اس سے مراد اللہ وحدہٗ لاشریک کی ذات ہوتی ہے۔

مذہب کا آغاز وارتقاء

مذہب کے آغاز کے بارے میں دنیا میں مختلف تصورات ونظریات پائے جاتے ہیں جن میں سے اکثر وبیشتر اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ مذہب انسان کے اندر پیدا ہونے والے احساس کی پیداوار ہے اور اس احساس کے مختلف محرکات تھے۔ مثلاً خوف اور امید، بچگانہ اندیشے اور معاشرتی ضروریات۔ خیال کیا جاتا ہے کہ مذہب کے آغاز میں ان تین قسم کے محرکات نے نمایاں کردار ادا کیا۔ پروفیسر لطفی لیوونیان (Prof. Lootfi Levonian) نے اپنی کتاب، "Origin of Religion" میں اس کا تذکرہ کیا ہے اور اس پر تنقیدی تجزیہ پیش کیا ہے۔

مذہب کے آغاز وارتقاء کے بارے میں بنیادی طور پر دو قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں۔ یعنی ارتقائی یا غیر الہامی نظریہ اور الہامی نظریۂ مذہب۔ اوّل الذکر قسم کے نظریات اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مذہب ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ جس میں انسانی محسوسات اور معاشرتی ضروریات وعوامل کا دخل ہے۔ جبکہ الہامی نظریۂ مذہب کی رو سے مذہب خالقِ کائنات کی طرف سے ہے جس کا آغاز توحید پرستی سے ہوا اور وقت کے ساتھ ساتھ انسانی فکر کے انحراف کی وجہ سے اس میں شرک کی آمیزش ہوئی اور طرح طرح کی بت پرستی نے جنم لیا۔ "Encyclopaedia of Britannica" کے مقالہ نگار نے مذہب کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے

کہ:

"Conclusions in the history of religions have been largely determined by the particular ideas of man or history with which the study was approached. Some scholars have supposed that at the dawn of human existane there was a belief in a single God and that only later there occured development into a belief in many gods as weel as animism (a belief in souls or spirits in man in other aspects of nature). Other scholars have supposed an evolutionary development of religion. Which only reached monotheism considered to be the highest form of religious belief after a long period of purification. The two approaches sponsor, respectively, two contrasting myths about premitive man. According to the one, there was once a golden age of innocence and harmony; according to the other, the life of the earliest man was hasty, brutish, and short."(30)

(تاریخ مذاہب میں نتائج کو بڑی حد تک انسان یا تاریخ کے مخصوص نظریات کے ذریعے متعین کیا گیا ہے جس کے ساتھ مطالعے کی رسائی تھی۔ کچھ علماء نے فرض کیا ہے کہ نوعِ انسانی کے وجود کے آغاز میں ایک خدا پر یقین پایا جاتا تھا اور کچھ ہی دیر بعد بہت سے خداؤں پر اعتقاد کا ارتقاء ہونے لگا۔ نیز حیوان پرستی کو بھی فروغ ملا۔ (انسان اور دوسرے مظاہرِ فطرت کے حوالے سے ارواح میں اعتقاد)۔ دوسرے علماء نے مذہب کا ارتقائی مفروضہ پیش کیا ہے جو بہتری کے عمل کے لمبے عرصے سے گزرتے ہوئے ایک خدا کی پرستش تک پہنچ گیا۔ اس کو مذہبی اعتقاد کی اعلیٰ ترین شکل قرار دیا جاتا ہے۔ دونوں قسم کے نظریات بالترتیب قدیم انسان کے بارے میں دو متضاد قسم کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایک کے مطابق ایک زمانہ معصومیت اور ہم آہنگی کا سنہرا دور تھا جبکہ دوسرے کے مطابق ابتدائی انسان کی زندگی جلد باز، ظالمانہ اور مختصر تھی۔)

مذہب کا ارتقائی نظریہ

ارتقائی نظریے سے مراد یہ ہے کہ مذہب ارتقاء (Evolution) کا نتیجہ ہے۔ یہ انسانی فکر و خیال کا ارتقاء ہے جو مختلف ادوار میں مظاہر سے متاثر ہوتا رہا ہے۔ پروفیسر لطفی لیوونیان کے بقول:

"زمانۂ قدیم کے باشندے قدرت کی بعض مہیب طاقتوں مثلاً طوفان، برق اور آتش وزلزلہ سے نہایت دہشت زدہ تھے۔ پس انہوں نے خیال کیا کہ ضرور کوئی ایسی زبردست طاقت ہے

جو قدرت سے زیادہ قوی تر ہے۔اس وجہ سے انہوں نے اُسی طاقت کو اپنا محافظ بنانے کی کوشش کی اور اس طریق سے مذہب وجود میں آیا اور اس وقت سے لے کر تا ایں زماں مذہب نسلاً بعد نسلاً چلا آیا ہے حتیٰ کہ وہ انسانی زندگی کا ایک لازمی عنصر بن گیا۔لہٰذا دہشت و خوف کو مذہب کی ابتدا قرار دیا گیا ہے۔''(۳۱)

مذہب کے ارتقائی تصور کے حاملین یہ سمجھتے ہیں کہ مذہب کی ابتدا میں انسان کی جہالت کا دخل ہے جو ارتقائی طور پر علم و دانش میں بدلنے لگی۔ابتدا میں انسان زیادہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم تھا اور مختلف مظاہرِ فطرت سے خوف بھی کھاتا تھا اور ان کی پوجا بھی کرتا تھا۔بشریاتِ مذہب کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

''کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ انسان نے مذہب کی بنیاد علت و معلول کے کلیے پر رکھی۔ ہربرٹ سپنسر کا بھی یہی خیال تھا مگر بیشتر ماہرین اس امر پر زور دیتے ہیں کہ انسان اپنے ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں اس قابل نہ تھا کہ وہ کسی مبسوط اور مربوط فکر کی تشکیل وترتیب سے عہدہ برآ ہو سکتا اور مجرد تصورات کے شیرازے تیار کر سکتا۔اس سے صرف اسی قدر توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ قریب ترین مظاہرِ فطرت کے نظاروں سے متاثر ہوتا اور حیرت و استعجاب کا اظہار کرتا۔''(۳۲)

مذہب کے ارتقائی نظریے کے ضمن میں یہ مفروضہ قائم کر لیا گیا ہے کہ جب انسان نے اس دنیا میں ہوش سنبھالا ہو گا تو اِس نے ضرور کچھ مظاہر سے خوف محسوس کیا ہو گا۔مثال کے طور پر اُس نے درندوں، آگ، آندھیوں اور طوفان اور اِسی طرح دیگر وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے خوفزدہ ہو کر ان کی پوجا پاٹ شروع کر دی اور اسی طرح جن مظاہرِ فطرت سے اس کو فائدے کی امید تھی اس امید پر ان کو پوجنے لگا ہو گا۔یوں لگتا ہے جیسے بچہ ماحول سے ڈرتا ہے اور کسی اپنے کی پناہ کی تلاش میں ہے۔

لطفی لیوونیان اس تصور کو مبنی بر مفروضہ قرار دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ: مذہب ایک ایسا حادثۂ قدرت ہے جو انسان کے زمانۂ طفولیت سے متعلق ہے۔بچہ اپنے آپ کو لاچار، ناتواں، بے کس اور پناہ کا حاجت مند سمجھ کر آغوشِ پدری میں پناہ گزیں ہوتا ہے۔اِسی طرح اکثر اشخاص حوادثِ زندگی کے مقابلے میں اپنے آپ کو بے کس و لاچار دیکھ کر اپنے لیے ایک ''خدا باپ'' تصور کرتے اور اس کی کنارِ شفقت میں سلامتی اور آرام تلاش کرتے ہیں۔لہٰذا انسان کے دل میں مذہبی جذبات مفہومِ خدا اور مذہب سے متعلق دیگر باتیں طفلانہ تصورات وخیالات ہیں۔وہ حقیقت پر مبنی نہیں بلکہ محض فرضی و وہمی ہیں۔(۳۳)

پروفیسر لطفی لیوونیان مذکورہ مفروضے کی تردید کرتے ہوئے مزید وضاحت کرتے ہیں کہ: یہ تصور دوست نہیں ہے کہ محض مذہب کی قدیمی صورت کو خیال کرتے ہوئے اس کو بے معنی، طفلانہ یا دہشت وخوف کا

نتیجہ سمجھا جائے۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک سیاہ رنگ کے بیج کو صرف اس وجہ سے پھینک دیا جائے کہ وہ بظاہر کچھ قدر و قیمت نہیں رکھتا۔ بیج کا فیصلہ ان گلہائے خوش رنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے کرنا چاہیے جو وقت گزرنے پر اُس سے پیدا ہوں گے۔ مذہب کا بھی یہی حال ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کوئی شے لازماً معمولی یا بے معنی ہو۔ اس کو صحیح طریق پر سمجھنے کے لیے اس کی ترقی یافتہ یا کامل صورت پر غور کرنا چاہیے۔ مذہبی تجربے کے آغاز میں بے شمار ایسی اشیاء ہوتی ہیں جو نہایت سادہ اور معمولی ہوتی ہیں لیکن اس کا خاصہ یہ ہے کہ ترقی کرے اور انسانی زندگی رونق بخشے اور آراستہ کرے۔ جو نظریے مذہب کے خلاف ہیں ان کی غلطی یا خطا اسی میں ہے کہ وہ مذہب پر فتویٰ لگاتے وقت اس نکتہ کو نظر انداز کرتے ہیں۔ (۳۴)

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مذہب انسان کی صلاحیتِ فکر اور قوتِ متخیّلہ کا نتیجہ ہے جو بعد ازاں ارتقائی مراحل طے کرتا رہا۔ ڈاکٹر مظفر حسین ملک نے لکھا ہے کہ:

> ''غیر مہذب اور ابتدائی دور کے غیر ارتقاء پذیر انسان کا مذہب اُس کی ایک ایسے عالم آفاقی کی طرف راہنمائی کرتا ہے جو انسانی دسترس سے ماورا ہے مگر ایسی غیر مرئی اور عالمِ مادی سے برتر مخلوق کا ٹھکانا ہے جو اس دنیا سے علیحدہ بھی ہے اور حسبِ منشاء اثر انداز بھی ہوتی رہتی ہے۔ مختلف قدیم مذاہب نے اپنے اپنے دور میں دیوتاؤں کے اُس مسکن کی اپنی قوتِ متخیّلہ کے زور سے ایسی تصویر کشی کی ہے کہ سادہ لوح انسان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔''(۳۵)

مذہب کے ارتقائی نظریے کی تاریخ میں دیو مالائی قصے کہانیوں کو بھی بڑا دخل حاصل ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی بہت سے لوگ ان کے ساتھ اعتقاد وابستہ کیے ہوئے ہیں اور اسے مذہب کا درجہ دیتے ہیں۔ ''کائنات اور انسان'' کے مصنف نے لکھا ہے کہ:

> ''صدیٔ رواں☆'' کے اوائل تک دیو مالا کا ذکر مذہب کے ضمن میں کیا جاتا تھا اور اِسے مذہب کے ارتقاء کی ابتدائی صورت سمجھا جاتا تھا لیکن جدید تحقیق کی رو سے دیو مالا کو ایک مستقل شعبۂ علم مان لیا گیا ہے۔''(۳۶)

دیو مالا سے مراد دیوی دیوتاؤں کے قصے کہانیوں کا علم ہے جسے انگریزی میں "Mythology" کہا جاتا ہے جو یونانی زبان کے لفظ "Mythos" سے مشتق ہے جس کا معنی قصہ کہانی ہے۔ بہت سے سادہ لوح بلکہ پڑھے لکھے لوگ بھی دیو مالائی قسم کے اعتقادات رکھتے ہیں اور اِسے مذہب کے درجے میں سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے کی فکر قدیم زمانے سے عہدِ جدید تک پائی جاتی ہے۔ ارتقائی تصورِ مذہب پر نظر دوڑائیں تو یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انسان نے مظاہرِ فطرت کی پوجا یکے بعد دیگرے کی ہے۔ جس کا آغاز سورج کی پوجا سے ہوا۔ اس بات کی نشاندہی سعید احمد رفیق نے وضاحت سے یوں کی ہے کہ:

> ''انسان نے فطرت کے مختلف مظاہر کی پرستش شروع کی۔ سب سے پہلے سورج کی پرستش

شروع کی گئی اور اس کے بعد چاند اور تاروں کی۔ زمین، پہاڑ، سمندر، دریا، آگ کی پرستش بھی آہستہ آہستہ اور کہیں کہیں شروع ہوگئی۔ مظاہر پرستی کے ساتھ ہی ساتھ آباء پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی نے بھی مختلف ممالک اور قوموں میں رواج پایا۔ جدید ہجری دور میں ان معروضات کی پرستش کے ساتھ سحر اور جادو نے بھی رواج پانا شروع کیا۔ مظاہر فطرت کے عتاب اور ارواحِ خبیثہ کے ظلم وستم سے بچنے کے لیے جادو ٹونے کا طریقہ ایجاد کیا گیا۔'' (۳۷)

مذہب کے ارتقائی نظریے میں مذہب اور سحر یعنی جادو کے حوالے سے عجیب بات یہ پائی گئی ہے کہ کبھی مذہب نے سحر کی شکل اختیار کی اور کبھی سحر نے مذہب کی۔ بقول سعید احمد رفیق:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ جادو منتر اور ابتدائی مذہب میں تفریق کرنا آسان نہ تھا۔ مذہب کی ایک بنیادی صفت پرستش ہے۔ ابتدائی دور میں پرستش کے بغیر مذہب سحر کی شکل اختیار کر لیتا تھا اور پرستش کی موجودگی میں سحر مذہب بن جاتا تھا۔ وہ مذہبی رسوم جن میں پرستش اور پوجا پاٹ شامل نہ تھی جادو ٹونے کی باتیں سمجھی جاتی تھیں اور جن جادو منتروں کی باتوں میں پرستش شامل ہوتی تھی وہ مذہبی رسوم بن جاتی تھیں۔'' (۳۸)

مذہب کے ارتقائی نظریے سے متعلق بحث کا حاصل بحث یہ ہے کہ مذہب کی ابتدا انسان کے خوفناک مظاہرِ فطرت سے خوفزدہ ہونے سے ہوئی۔ خوف اور دہشت کے نتیجے میں اُس نے مختلف چیزوں کو اپنی توجہ اور پوجا کا مرکز بنایا۔ کسی چیز سے ڈر کر اور کسی کی نفع رسانی کے نتیجے میں اُس کی پوجا پاٹ ہوتی رہی اور غالباً کوئی بھی مظہرِ فطرت ایسا نہیں جو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکے۔ ارتقائی نکتہ نظر سے پتہ چلتا ہے کہ انسان صدیوں تک خوگرِ پیکرِ محسوس رہا۔ بقول اقبال:

ے　خوگر پیکر محسوس تھی انساں کی نظر
ماننا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیونکر (۳۹)

یہ بات انسان کی کج فہمی اور تنگ نظری پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے مظاہرِ فطرت کے پیچھے کارفرما قوت وقدرت کے بارے میں کچھ نہ سوچا اور شجر وحجر، شمس وقمر، ہوا، پانی اور آگ وغیرہ کو خدا سمجھ لیا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دیوی دیوتاؤں کو ان کے ساتھ منسوب کیا جن کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی پھر اپنی ہی آسانی کی خاطر خداؤں کی تعداد میں کمی بیشی کی جاتی رہی۔ اس نظریے کے مطابق مذہب محض پوجا پاٹ کے ایک سلسلے کا نام ہے جس میں حقیقی فکری وعملی راہنمائی کا یکسر فقدان نظر آتا ہے۔

قدیم انسان کے مظاہرِ فطرت سے خوف زدہ ہونے کے پس منظر میں علی عباس جلالپوری نے اپنی ذاتی واردات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''میرا گاؤں پہاڑیوں میں گھرا ہوا ہے۔ جب کبھی میں پہاڑیوں میں نکلتا ہوں تو ان کی عجیب

وغریب شکلیں جو برسات کی بوچھاڑوں نے بنائی ہیں اور ان پر چھایا ہوا تھاہ سکوت میرے لیے بے پناہ جذب وکشش کا باعث ہوتا ہے اور مجھے ڈرا بھی دیتا ہے۔ جس سے میں قدیم انسان کی مرعوبیت اور دہشت کا اندازہ کرسکتا ہوں جو وہ پہاڑوں اور چٹانوں کے نظارے سے محسوس کیا کرتا تھا۔"(۴۰)

مذہب کا الہامی نظریہ

مذہب کے الہامی نظریے کی رو سے مذہب کا اصل ماخذ ومنبع وحی والہام ہے جو خالقِ کائنات کی طرف سے اُس کے منتخب کردہ خاص انسانوں یعنی انبیاء ورسل علیہم السلام پر نازل ہوتا رہا۔ وحی پر مبنی سلسلۂ ہدایت تاریخِ انسانی کے ہر دور میں جاری رہا اور ہر قوم کی طرف ہدایت بھیجی جاتی رہی۔ اِس سلسلے کا آغاز انسانِ اوّل کی تخلیق کے ساتھ ہی ہوگیا تھا۔ انسانِ اوّل صرف ابوالبشر نہیں بلکہ پہلے نبیؑ بھی تھے۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا"(۴۱)

(اور آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کے نام سکھا دیے)

اور یہ کہ:

"قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ"(۴۲)

(ہم نے کہا کہ اس (جنت) میں سے تم سب اتر جاؤ پس جب میری طرف سے تمہارے پاس کوئی ہدایت آئے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔)

مذہب کے الہامی نظریے کے مطابق انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی توحید کی فطرت اس میں ودیعت کردی گئی تھی۔ چنانچہ حضرت محمد ﷺ کا فرمان ہے کہ:

"مَامِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدعَلَى الْفِطْرَة فأبوهُ يَهَوّدانِهِ اَوْيُنَصِّرَانِهِ اَوْ يُمَجِّسَانِهِ"(۴۳)

(ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اس کے بعد اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔)

مذہب کے الہامی نظریے کی تائید آثارِ قدیمہ کے مطالعہ سے بھی ہوتی ہے۔ اگر ہر قوم کی ابتدائی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم شروع میں توحید کی علمبردار تھی بعد میں شرک میں مبتلا ہوتی گئی۔ جب جب انسان نے خدائی ہدایت کو فراموش کیا اور شرک وگمراہی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی راہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً پیغمبر بھیجے جنھوں نے اسے راہِ ہدایت دکھائی اور غلط راستے سے ہٹا کر سیدھے

راستے پر ڈالا۔

قرآن مجید میں ہے:

"كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ"(۴۴)

(لوگ ایک ہی امت تھے پھر اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو ڈرانے اور بشارت دینے والے بنا کر بھیجا اور ان پر کتاب نازل کی تا کہ لوگوں کے درمیان اختلافی امور کا فیصلہ ہو جائے اور صرف انھی لوگوں نے جنھیں کتاب دی گئی تھی، اپنے پاس دلائل آ چکنے کے بعد آپس کے بغض وعناد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا۔ اس لیے اللہ نے ایمان والوں کی اس اختلاف میں بھی حق کی طرف ہدایت کی اور اللہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔)

تاریخ طبری میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل ہے کہ آدم علیہ السلام کے بعد لوگ دس صدیوں تک توحید کے علمبردار رہے اور پھر شرک میں مبتلا ہو گئے۔

سب سے پہلے نوح علیہ السلام کے عہد میں جب ان کی قوم کے نیک لوگ جیسے ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر انتقال کر گئے۔ تو شیطان نے انہیں راہ دکھلائی کہ اگر ان کی مجلسوں میں پتھر نصب کر کے ان کے نام لکھ دیے جائیں تو ان کو دیکھ کر ان کی سیرت یاد آئے گی۔ چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ بعد میں جہالت کی بنا پر لوگ ان کی عبادت کرنے لگے۔

ارتقائے مذہب کے الہامی تصور کی تائید فطرت کا تقاضا ہے۔ جدید محققین اِس کے قائل نظر آتے ہیں۔ بقول پروفیسر بختیار حسین صدیقی: علم شعوب وقبائل انسان کے پورے میدان میں اب پرانا ارتقائی مذہب بالکل بے کار ہو گیا ہے۔ نشو ونما کی مرتب کڑیوں کا جو خوش نما سلسلہ اس مذہب نے پوری آمادگی کے ساتھ تیار کیا تھا، اب ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے اور نئے تاریخی رجحانوں نے اسے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔

اسی طرح انڈونیشیا میں لوگ نصرانیت اور اسلام کے پہنچنے سے قبل خدائے واحد کی بندگی کرتے تھے اور سنسکرت سے پہلے جو علاقائی زبانیں رائج تھیں ان کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہندومت اور اسلام کے دخول سے پہلے اس علاقے میں ذاتِ باری تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور رائج تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

حوالہ جات وحواشی

۱۔ عبدالباقی، محمد فؤاد، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم (مادہ ذ ھ ب)، قاہرہ: دارالحدیث، الطبعۃ اُولیٰ ۱۹۹۶ء/۱۴۱۷ھ، ص۳۳۹۔۳۴۰

۲۔ ایضاً، ص۳۴۰

۳۔ الزبیدی، محمد مرتضیٰ، تاج العروس من جواہر القاموس، بیروت (لبنان): منشورات دار مکتبۃ الحیاۃ، فصل الذال من باب الباء، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۰۶ھ، ۱/۳۳

۴۔ الراغب اصفہانی، حسین بن محمد بن مفضل، المفردات فی غریب القرآن، کتاب الذال، کراچی: قدیمی کتب خانہ آرام باغ، س۔ن، ص۱۸۱

5. Shanul Haq Haqqee, The Oxford English Urdu Dictionary, Karachi: Oxford University Press, 6th Edition, 2007, P:1417

۶۔ جلالپوری، علی عباس، کائنات اور انسان، لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۱ء، ص۱۳۲

۷۔ البعلبكي، منير، المورد الوسيط، مزدوج قاموس عربی۔انکلیزی، بیروت، لبنان: دار العلم للمایین، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۹۶ء، ص۶۰۰

8. Emile Durkheim, The Elementary Forms of Religious Life, Translated from French By Joseph Ward Swain M.A., London: George Allen and Unwin Ltd. Ruskin House Museum Street First Published in 1915, Fifth impression 1964, P-1

9. Paul Tillich, Macon: Mereek University Press September 2002, P.2

10. Rudolf Otto, The Idea of The Holy, Translated By: J. W. Harvey from Germen, New York: Oxford University Press, 1923, 2nd addition, 1950, Reprint, New York 1970, P.1

11. Catherine L. Albanese, Religions and Religion, 6th addition, Wadsworth Publisher Co. 1981, P.

12. Karl Mary, Critique of Hegel's Philosophy of Right, Oxford University Press, P.67

13. William James, The Varieties of Religious Experience, Astudy in Human Nature, Edited and annotated for the Worldwide web by Le. Roy L. Millar (Lecutre delivered on natural religion at Edinburgh in 1901-1902, P.3

14. Cliffard Geertz, The Interpretation of Clutures,

15. D. T. Suzuki, Outlines of Mahayana Budhism, London: Luzac and Company Publishers to The University of Chicago, 1907, P.24

16. Peter L. Berger, The Sacred Canopay: Elements of a Sociological Theory of Religion, New York: Doubleday & Company, Inc. Garden City, 1967, P.6

17. J. Z. Smith, Imagining Religon: From Babylon to Jamestown, U.S.A, University of Chicago, 1982, P.7

18. Jan DE. Vries, Study of Religion (Article 1967), Encyclopaedia of Britannica (macropaedia) Chicago, London: etc. William Bentox Publishers, 1943-73, 15th Edition, 15/613

۱۹۔ مہاپترا امور رنجن، فلسفہ مذاہب، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۰ء، ص ۱۵

20. International Encyclopaedia of Social Sciences.

21. Whitehead-A.N., Science and the Modern World (June 2011) Cambridge University Press, P.222

۲۲۔ الفاتحہ : ۴

۲۳۔ ابراہیم انیس، الدکتور، المعجم الوسیط، ایرن: نشر وفرہنگ اسلامی، ۱۳۷۲ھ، ص ۳۰۷

۲۴۔ آل عمران : ۱۹

۲۵۔ المائدہ : ۳

۲۶۔ عبدالباقی محمد فواد، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، القاہرہ: دارالحدیث الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۷ھ، ۱۹۹۶ء، ص ۳۲۹

۲۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ سید، خطبات، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، چوبیسویں اشاعت، مئی ۱۹۸۳ء، ص ۱۱۳

۲۸۔ ندوی، ابوالحسن علی، سیّد، تہذیب وتمدن پر اِسلام کے اثرات و احسانات، کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، ۱۹۸۵ء، ص ۱۰۰

۲۹۔ ایم اے بٹ، شہزادہ، پروفیسر، ڈاکٹر، طشتِ اُفق (مقدمہ)، دنیا کے بڑے مذاہب، ازعماد الحسن آزاد فاروقی، لاہور: مکتبہ جدید پریس، جون ۲۰۱۳ء، ص ۲۱

30. Michael, P. Benton, Phylosophy of Religion, 1996, Encyclopaedia of Britannica, 15/592

۳۱۔ لیوونیان، لطفی، پروفیسر، اِبتدائے مذہب، لاہور: پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی، س ن، ص ۲

۳۲۔ ملک مظفر حسین، ڈاکٹر، بشریاتِ مذہب، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ص ۴۴

۳۳۔ لیوونیان، لطفی، اِبتدائے مذہب، ص ۳

۳۴۔ ایضاً، ص ۸

۳۵۔ ملک مظفر حسین، ڈاکٹر، بشریاتِ مذہب، ص ۴۳

☆ علی عباس جلالپوری کی کتاب "کائنات اور انسان" ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی۔ لیکن اس کے مختصر پیش لفظ میں مصنف نے ۴فروری ۱۹۸۴ء کی تاریخ درج کی ہے گویا "صدیٔ رواں" سے مراد بیسویں صدی عیسوی ہے۔

۳۶۔ جلال پوری، علی عباس، کائنات اور انسان، لاہور: تخلیقات، ۲۰۱۱ء، ص ۸۱

۳۷۔ سعید احمد رفیق، پروفیسر، فکری تحریکیں، کوئٹہ: شاد پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص ۲۱

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۴۵

۳۹۔ محمد اقبال، علامہ، شکوہ، کلیاتِ اقبال اردو، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۹ء، ص ۱۶۴

۴۰۔ جلال پوری، علی عباس، کائنات اور انسان، ص ۴۹

۴۱۔ البقرہ : ۳۱

۴۲۔ البقرہ : ۳۳

۴۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، ص ۲۲۲، رقم الحدیث ۱۳۸۵

۴۴۔ البقرہ : ۲۱۳

☆☆☆☆☆